سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مطالعہ سیرت کی ضرورت واہمیت

سیرت کا معنی ومفہوم: لفظ ''سیرت'' عربی لفظ ''سِیْرَۃٌ'' کی اردو صورت ہے۔ سِیْرَۃٌ کے لغوی معنی چال چلن عادت وخصلت طرزِ زندگی کوئی روش اختیار کرنے وغیرہ کے ہیں۔ قرآن حکیم میں طرز وانداز اور حالت وکیفیت کے معنی میں یہ لفظ اس طرح استعمال ہوا ہے۔ سَنُعِیْدُھَا سِیْرَتَھَا الْاُوْلٰی (طٰہٰ 21:20) ''ہم ابھی اسے اس کی پہلی حالت پر لوٹائے دیتے ہیں۔'' متذکرہ صدر لغوی معنی کے تناظر میں لفظ ''سیرۃ'' معروف ونامور شخصیات کے حالات وطرز ہائے زندگی اور تاریخی واقعات کے بیان کے لیے استعمال ہونے لگا۔ رفتہ رفتہ یہ لفظ عام بڑی اور نامور شخصیات کی بجائے نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانحی حالات اور طرزِ زندگی کے بیان کے لیے خاص ہوتا گیا۔ آج کل یہ لفظ اس آخری معنی کے لیے کچھ اس طرح خاص ہو گیا ہے کہ مطلقاً استعمال کیا جائے تو آپ کی ذات اور حیاتِ طیبہ کے علاوہ کسی ہستی کا خیال تک نہیں آتا۔ چنانچہ اسلامی اصطلاح میں سیرت سے مراد ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور اس سے متعلق امور کا بیان۔

مطالعۂ سیرت کی ضرورت واہمیت: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ نہایت ضروری اور انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ دنیا کی کسی بھی دوسری شخصیت کی سیرت کا مطالعہ اس قدر اہم اور ضروری نہیں جس قدر آپ کی سیرت کا مطالعہ ہے۔ اس بات کا ثبوت حسب ذیل نکات سے بخوبی فراہم ہو جائے گا:

1- جامعیت وہمہ گیریت: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت وہ واحد شخصیت ہے جو ہر طبقۂ انسانی کے لیے بہترین نمونۂ عمل ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس سے متعلق آپ کی سیرتِ اطہر میں روشنی اور رہنمائی موجود نہ ہو۔ شوہر ہو یا والد، منتظم ہو یا منصف، سپہ سالار ہو یا سربراہِ حکومت، ہر ایک کے لیے بیک وقت بہترین آئیڈیل ہونا آپ کی وہ خصوصیت ہے جس میں جملہ ہادیانِ عالم میں سے کوئی بھی آپ کا ہمسر نہیں۔ تمام دیگر انبیا ورہنمایانِ انسانیت میں الگ الگ جو اوصاف ہیں وہ سب حضور کی ذات والا صفات میں جمع ہو گئے ہیں۔

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

جامعیت وہمہ گیریت کی یہ خصوصیت اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے کہ آپ کی سیرت سے بڑھ کر ضروری اور اہم کسی دوسری شخصیت کی سیرت کا مطالعہ نہیں ہوسکتا۔

2۔ **بہترین عملی نمونہ**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں سب سے بہتر عملی نمونہ ملتا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے مفکر اور فلاسفر تو بالعموم عمل سے عاری نظر آتے ہیں، لہٰذا ان کی سیرت کا سیرتِ سرورِ دوعالم سے تقابل تو ہے ہی لایعنی، انبیائے کرام جو اپنے کہے پر عمل کر کے دکھانے والی غیر معمولی شخصیات ہیں، میں سے بھی کسی کی سیرت عملیت کے اعتبار سے آپ کی سیرت کی ہم پلہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہترین عملی نمونہ کسی اور کو نہیں آپ ہی کو قرار دیا۔ ارشاد ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب 33:21) ”بے شک تمہارے لیے رسول اللہ (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔“ اپنی تعلیمات پر عمل کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر پہلو سے ممتاز ومنفرد ہیں۔ صحابہ اگر بھوک کی وجہ سے پیٹ پر ایک پتھر باندھے ہوئے ہیں تو آپ دو پتھر باندھے ہوئے ہیں۔ اصحابِ رسول کو اپنے مال میں سے زکوٰۃ و صدقات کا حکم ہے اور خود رسول اللہ ایک پائی بھی اپنے پاس نہیں رکھتے، یہاں تک کہ بعض اوقات قرض لے کر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتے ہیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

3۔ **محفوظیت واستنادِ سیرت وتعلیمات**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ اس لیے بھی خصوصی ضرورت واہمیت کا حامل ہے کہ آپ کی سیرت اور تعلیمات اپنی مکمل صورت میں محفوظ ہیں۔ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام میں سے اکثر وبیشتر کے حالات تو ایک طرف، نام تک دنیا کو معلوم نہیں۔ ایک قلیل تعداد کے نام ملتے ہیں لیکن ان میں سے بھی زیادہ تر کے حالات کا کچھ علم نہیں۔ جن بہت تھوڑے انبیائے کرام کے سوانحی حالات میسر ہیں وہ بھی پورے کے پورے مستند ومعتبر ہیں اور نہ مکمل۔ یہاں تک کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام، جن کے عیسائی پیروکار اس وقت دنیا میں کسی بھی دوسرے مذہب کے ماننے والوں سے زیادہ بتائے جاتے ہیں، کے حالاتِ زندگی کے بہت سے پہلو نامعلوم ہیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ عظیم ہستی ہیں جن کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک لمحہ غیر معمولی طور پر محفوظ بھی ہے اور مستند بھی۔ سید سلیمان ندوی کے مطابق ڈاکٹر سپرنگر نے تسلیم کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک تو ایک طرف آپ کی ذات سے متعلق ہر ہر شئے کے حالات کو محفوظ کر لیا گیا ہے۔ آپ کی پیش کردہ تعلیمات کی محفوظیت اور استناد اپنی مثال آپ ہے۔ گذشتہ الہامی کتابیں اور انبیا کی

تعلیمات اپنی اصلی شکل میں محفوظ نہ رہ سکیں۔ بائبل میں ردوبدل اور تحریف وتبدیلی اس قدر مسلمہ امر ہے کہ خود بڑے بڑے نامور عیسائی اہلِ قلم نے اس کا واضح لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔ لیکن حضور پر نازل ہونے والی کتاب شروع سے آج تک ہر قسم کے تغیر وتبدل سے پاک ہے۔ یہ صرف مسلمانوں کا دعویٰ نہیں بلکہ متعدد معروف مغربی محققین نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ موجودہ قرآن بعینہ وہی ہے جو حضورؐ نے لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ حدیث وسنت کی محفوظیت کے حوالے سے اگرچہ بعض مغربی مصنفین اور ان کے کچھ مسلم مقلدین نے اعتراضات کیے ہیں، تاہم تحقیقی بات یہ ہے کہ حدیث وسنت بھی پوری طرح محفوظ ہے۔ حدیث وسنت قرآن حکیم کی تفسیر اور وحی الٰہی ہی کی ایک شکل ہے، لہٰذا قرآن کی محفوظیت کا وعدہ ربانی حدیث وسنت کی محفوظیت کو بھی شامل ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر 15:9) ''بے شک یہ ذکر ہم نے ہی نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

4۔ **<u>منشائے الٰہی کی تفہیم کا ناگزیر ذریعہ</u>**: مطالعۂ سیرت کے بغیر یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں سے کیا مطالبہ ہے؟ کونسا کام اس کی منشا کے مطابق ہے اور کونسا نہیں؟ قرآن کی صحیح صحیح تفہیم اور اس کے احکام پر عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو جاننے پر موقوف ہے۔ قرآن میں بہت سے احکام ایسے ہیں، جو مجملاً بیان ہوئے ہیں، اگر سیرت رسول سے رہنمائی نہ لی جائے تو ان پر عمل ممکن نہیں۔ مثلاً قرآن حکیم میں کثرت کے ساتھ نماز کا حکم دیا گیا ہے لیکن نماز کی عملی صورت کیا ہے؟ کتنی رکعتیں کب پڑھنی ہیں؟ قیام ورکوع وسجود کیسے اور کس طرح ہو؟ کیا کلمات پڑھے جائیں؟ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن کی قرآن میں کوئی تفصیل بیان نہیں کی گئی۔ یہ سب باتیں سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ. (بخاری) ''نماز ایسے پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوا دیکھتے ہو۔'' قرآن کریم میں زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے لیکن زکوٰۃ کتنی اور کس شرح سے دی جائے؟ یہ تفصیلات سیرتِ طیبہ سے معلوم ہوتی ہیں۔ یہی حال حج اور روزہ وغیرہ سے متعلق تفصیلات کا ہے۔ قرآن کی بہت سی آیات ایسی ہیں جن کے معانی صحابہ کرام باوجود عرب ہونے کے نہیں سمجھ پاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضاحت فرماتے کہ فلاں آیت یا فلاں لفظ کے یہ معنی ہیں۔ اور یہ وہ کام ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود آپ کے ذمہ لگایا۔ ارشاد ہے: وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ. (النحل 16:44) ''اور یہ ذکر ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ جو چیز لوگوں کی طرف اُتری ہے آپ اسے کھول کر بیان کردیں۔'' مختصر یہ کہ قرآن اور منشائے الٰہی کی تفہیم اس کے

مطابق عمل اس وقت تک محال ہے جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے آگاہی حاصل نہ کی جائے۔

5۔ **تقاضائے ایمان واطاعت**: سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ اس لیے بھی نہایت اہم اور ضروری ہے کہ یہ ایمان اور اطاعت کا تقاضا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تاکید کی گئی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننے کو ایمان کا لازمی تقاضا باور کرایا گیا ہے۔ ارشاد ہے: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ. (محمد 33:47) ''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع مت کرو۔'' فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا. (النساء 65:4) ''تو تمہارے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک باہمی جھگڑوں میں آپ کو حاکم تسلیم نہ کر لیں۔ پھر آپ کے فیصلے پر دل میں تنگی محسوس نہ کریں اور اسے دل و جان سے تسلیم نہ کر لیں۔'' لیکن آپ کا حکم کیا ہے؟ اور اس کی اطاعت کا طریقہ کیا ہے؟ ان سوالوں کا جواب اسی صورت میں مل سکتا ہے جب آپ کے طرزِ زندگی اور سیرتِ پاک سے واقفیت حاصل کی جائے۔ ایمان و اطاعت کے حوالے سے سیرتِ طیبہ کے مطالعہ کی اہمیت اس وقت اور بھی نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے جب ہم اللہ کے ان ارشادات کا مطالعہ کرتے ہیں جن میں آپ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے۔ جیسے: مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (النساء 80:4) ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔'' آپ کے ہر حکم کو بلاچون وچرا ماننے کی تاکید کی گئی ہے۔ جیسے: وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. (الحشر 7:59) ''جو کچھ رسول تمہیں دیں وہ لو اور جس سے منع کریں اس سے رُک جاؤ۔'' بروئے آیت: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ. (آل عمران 31:3) ''کہیے! اگر تم اللہ سے محبت چاہتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔'' اللہ کی محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی پر منحصر ہے اور آپ کی پیروی اسی وقت ممکن ہے جب آپ کے طریقے کار کا ادراک ہو۔

6۔ **اخلاق کی اصلاح و درستی**: اخلاق کی اصلاح و درستی انسانیت کی بنیادی ضرورت ہے اور تمام سلیم الفطرت انسان اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ بنی نوع انسان سے اخلاقی بگاڑ ختم ہو۔ یہ ضرورت اور خواہش بھی کماحقہ سیرتِ رسولِ عربی کے مطالعہ ہی کے نتیجے میں پوری ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ اعلیٰ اخلاق کا سب سے عمدہ نمونہ آپ ہی ہیں۔ آپ کے اخلاق کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے

کہ خود خالق کائنات گواہی دیتا ہے: اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ. (القلم 4:68) "بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا فرمان ہے کہ اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ. (موطا امام مالک) "مجھے صرف اسی لیے بھیجا گیا ہے کہ میں حسنِ اخلاق کی تکمیل کروں۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے نہایت مختصر اور جامع جواب دیتے ہوئے فرمایا: کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن. "آپ کا خلق قرآن مجید تھا۔" یعنی جن محاسنِ اخلاق کو اپنانے کا قرآن نے حکم دیا ہے آپ میں بدرجہ اتم موجود تھے اور جن رذائلِ اخلاق سے قرآن نے روکا ہے آپ ان سے مکمل طور پر منزہ ومبرا تھے۔ گو دیگر انبیائے اکرام کی سیرتیں بھی اعلیٰ اخلاق کا نمونہ پیش کرتی ہیں کہ تمام انبیا اعلیٰ اخلاق کے حامل ہوتے ہیں، لیکن باقی انبیا میں سے کوئی بھی اس ضمن میں آپ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ پایا۔ بقول امام شرف الدین بوصیری:

فَاقَ النَّبِیِّیْنَ فِیْ خَلْقٍ وَّ فِیْ خُلُقٍ

وَلَمْ یُدَانُوْهُ فِیْ عِلْمٍ وَّلَا کَرَمٍ

(یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شکل وصورت اور سیرت و اخلاق کے اعتبار سے جملہ انبیا سے برتر و اعلیٰ ہیں اور علم وکرم کے اعتبار سے کوئی نبی آپ کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتا۔)

7- **قانونی وتشریعی حیثیت**: سیرت کا مطالعہ اس لیے بھی ضروری اور اہم ہے کہ اس کی حیثیت قانونی وتشریعی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاں قرآن کی تفسیر اور اس کے مجمل احکام کی تشریح کرتے وہاں شریعت وقانون بھی عطا فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے حلال وحرام سے متعلق اصولی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا: وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ. (الاعراف 157:7) "وہ (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم) ان پر پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔" اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں چند چیزوں کے حلال وحرام ہونے کی وضاحت کردی اور باقی چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی ایسی چیزوں کے پاک وناپاک اور حلال وحرام ہونے کے بارے میں فیصلہ فرمایا جن سے قرآن خاموش تھا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تشریح (وضاحت) کے ساتھ ساتھ تشریع (قانون سازی) کے اختیارات بھی عطا کیے تھے۔ موجودہ دور میں قومی وبین الاقوامی اور معاشی وسیاسی امور سے متعلق قانون سازی کے تناظر میں سیرتِ طیبہ کا مطالعہ نہایت وسیع پیمانے پر کیا جانا وقت کی مسلمہ ضرورت ہے۔

8- **انسانی حقوق کی پاسداری**: انسانی حقوق کی پاسداری کے ضمن میں جو تعلیم اور عملی رہنمائی

سیرتِ طیبہ سے ملتی ہے کسی اور جگہ سے نہیں ملتی۔ آپ نے سوسائٹی کے کمزور اور ایسے طبقوں کو ساڑھے چودہ سو سال قبل وہ حقوق عطا کیے جس کا آج کی ترقی یافتہ کہلانے والی دنیا' حقوقِ انسانی کو یقینی بنانے کے تمام تر دعوؤں کے باوجود تصور تک نہیں کر سکتی۔ آپ نے بچوں' عورتوں اور غلاموں وغیرہ پر ظلم کا خاتمہ کر کے انہیں نہایت باعزت مقام دلوایا۔ عورتیں زمانہ جاہلیت ہی میں ظلم کا شکار نہ تھیں' آج بھی ظلم کی چکی میں پس رہی ہیں۔ انہیں جائیداد میں حصہ نہیں دیا جاتا۔ تشدد و بدسلوکی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دلوائے۔ انہیں مردوں ہی کی طرح جائیداد میں حصہ دار بنا دیا گیا۔ قرآنِ حکیم میں ہے: لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَ الْأَقْرَبُونَ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَ الْأَقْرَبُونَ. (النساء 7:4)
خاوندوں کو بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کی۔ وَ عَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ. (النساء 19:4)
ماؤں کے قدموں تلے جنت قرار دی۔ بچوں کے قتل کو سختی سے روکا۔ غلاموں کو بھائیوں کا درجہ دیا اور اس سلسلہ میں نہایت اعلیٰ عملی مثالیں پیش کیں۔ آج انسانی حقوق اور ان کی پاسداری کا بڑا غلغلہ ہے لیکن عملاً کمزور طبقات بری طرح ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ اس لیے کہ مذکورہ تناظر میں دعوے تو بہت کیے جاتے ہیں مگر عمل مفقود ہے۔ حالانکہ اس سلسلہ میں سب سے بڑھ کر ضرورت ہی عمل کی ہے۔ اگر عالمِ انسانیت کو واقعی انسانی حقوق کو یقینی بنانا اور اس سلسلے میں واقعی عملی اقدامات کرنا ہیں تو لازم ہے کہ وہ سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رہنمائی لے۔

9- <u>رحم و کرم</u>: آج کل بدامنی' دہشت گردی اور وحشت کا دور دورا ہے۔ دنیا محبت' پیار اور رحم و کرم کی شدید پیاسی ہے۔ اسے سخت ضرورت ہے کہ وہ سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرے تا کہ اسے معلوم ہو کہ نفرتوں' ظلم و ستم اور بدامنی کا خاتمہ کر کے محبت اور رحم و رافت کے پھول حقیقی معنی میں کس طرح کھلائے جا سکتے ہیں۔ انسانیت کو اگر اپنی دنیا کو واقعی گل و گلزار بنانا ہے تو اسے چاہیے کہ رحمتِ عالم کی رحمتِ بے پایاں کے حسب ذیل مظاہر کا مطالعہ کرے:

ا۔ <u>کافروں پر رحمت</u>: مکہ میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا۔ رئیس مکہ ابو سفیان نے حضور سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے نہ صرف اپنے دشمنوں اور اپنے وطن سے نکلنے پر مجبور کرنے والوں سے قحط دور ہونے کی دعا کی، بلکہ نجف کے مسلمان سردار کو حکم دیا کہ مکہ میں غلہ پہنچانے کا بندوبست کرے۔
کفار و مشرکین کے سخت مظالم کے پیش نظر کچھ مسلمانوں نے عرض کیا: حضور! ان کے لیے بددعا فرمائیے، لیکن آپ نے فرمایا: إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا وَ إِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً ۔ "میں لوگوں کے

لیے لعنت نہیں بلکہ رحمت بن کر آیا ہوں۔"

آپ تبلیغِ اسلام کی غرض سے طائف تشریف لے گئے تو وہاں کے غنڈوں اور اوباشوں نے آپ پر پتھر برسائے۔ آپ کا جسم مبارک لہولہان ہو گیا۔ آپ شدید زخمی حالت میں تھے کہ جبریل امین آئے اور کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو طائف کی بستی تباہ و برباد کر دی جائے، مگر آپ نے فرمایا" نہیں، یہ ناسمجھ ہیں۔ یہ مسلمان نہیں ہوتے تو نہ سہی، ان کی آئندہ نسلیں ایمان لے آئیں گی۔"

اہلِ مکہ نے آپ پر کیا کیا ستم نہیں ڈھائے تھے، لیکن جب مکہ فتح ہوا اور ظالموں کے مظالم کے حساب چکانے کا وقت آیا تو یہ الفاظِ قرآنی تلاوت فرماتے ہوئے ان کو معاف فرما دیا: **لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ** (یوسف 92:12) "آج کے دن تم سے کوئی باز پرس نہیں۔ اللہ تمہاری مغفرت فرمائے۔ وہ بڑا ہی رحم فرمانے والا ہے۔"

2- <u>غلاموں پر رحمت</u>: حضرت زید بن حارثہ آپ کے غلام تھے۔ آپ نے ان کے ساتھ اس قدر شفقت و محبت اور رحمت کا سلوک فرمایا کہ ان کے باپ نے انہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہا تو انہوں نے انکار کر دیا، اور آپ کی رحمت و شفقت کے سائے میں رہنا پسند فرمایا۔ آپ نے ان کو آزاد ہی نہیں کیا بلکہ اپنی پھوپھی زاد حضرت زینب کا نکاح بھی ان کے ساتھ کرایا۔ حضرت زید کے بیٹے اسامہ سے آپ کو بہت زیادہ محبت تھی۔ ان کی ناک خود صاف کیا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے: "اگر اُسامہ بچی ہوتا تو میں اس کو زیور پہناتا۔" وصال سے کچھ عرصہ قبل ایک لشکر شام کی جانب روانہ کیا تو اس کا سپہ سالار حضرت اُسامہ کو بنایا، حالانکہ اُسامہ اس وقت صرف سترہ برس کے نوجوان تھے، اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابی ان کے زیرِ کمان تھے۔

حضرت ابوذر نے اپنی عجمی غلام کو برا بھلا کہا۔ اس نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی۔ آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: "ابوذر! تم میں اب بھی جاہلیت موجود ہے۔ یہ غلام تمہارے بھائی ہیں۔ ان کو ستایا نہ کرو۔ ان کے ساتھ برابری کا سلوک کرو۔"

غلاموں کی عزت افزائی اور ان کی تحقیر کے خاتمے کی غرض سے حکم دیا کہ ان کو میرا غلام یا میری لونڈی کہنے کی بجائے میرا بچہ یا میری بچی کہا کرو۔

آپ کے متعدد غلام تھے۔ لیکن کسی کو بھی غلام کے طور پر نہ رکھا۔ بلکہ سب کو آزاد کر دیا۔ آپ کو غلاموں کی اس قدر فکر تھی کہ حالت نزع میں بھی زبان اقدس پر یہ الفاظ جاری تھے: **اَلصَّلٰوةَ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ**۔ "(مسلمانو! تمہاری نگاہ میں رہنے چاہییں) نماز اور غلام۔"

3- عورت پر رحمت: اسلام سے قبل عورت انتہائی پسے ہوئے اور ظلم وستم کا شکار طبقوں میں شامل تھی۔ آپ نے اس کو ہر طرح کے ظلم وستم سے نجات دلوا کر ماں، بیٹی، بیوی ہر حیثیت سے بلند مقام عطا کیا۔ آپ کا ارشاد ہے: اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ "جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔" آپ کو اپنی رضاعی ماں حلیمہ سے بے پناہ محبت تھی۔ بعثت کے بعد وہ آپ سے ملنے آئیں تو میری ماں میری ماں کہتے ہوئے فرطِ جذبات سے ان سے لپٹ گئے۔ بیٹی فاطمہ ملنے آتیں تو فرطِ جذبات سے کھڑے ہو جاتے؛ ان کا ماتھا چومتے اور ان کے بیٹھنے کے لیے چادر بچھا دیتے۔ سفر پر جانا ہوتا تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ کے گھر ان سے ملنے جاتے اور واپس آتے تو سب سے پہلے ان کے گھر تشریف لاتے۔

آپ ازواج مطہرات سے نہایت محبت وشفقت سے پیش آتے۔ بیویوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: "تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے حق میں بہتر ہے اور میں تم میں سے اپنی بیویوں کے حق میں سب سے بہتر ہوں۔" ازواج مطہرات آپ کے ساتھ نہایت آزادی سے گفتگو کرتیں۔ کئی دفعہ ان کی باتوں سے رنجیدہ بھی ہو جاتے، مگر خاموش رہتے۔

آپ کی محفل میں عورتوں کو سوال کرنے کی بہت آزادی تھی۔ عورتیں اس آزادی اور بے باکی سے سوال کرتیں کہ صحابہ حیران ہوتے، مگر آپ بالکل برا نہ مانتے۔

4- غریبوں پر رحمت: حضور کو غریبوں سے بے پناہ محبت تھی۔ فرمایا کرتے: "یا اللہ مجھے غریب زندہ رکھ؛ غریبوں میں اُٹھا اور غریبوں کے ساتھ میرا حشر فرما۔" حضرت عائشہ کو نصیحت فرما رکھی تھی کہ کسی غریب کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ نہ لوٹانا۔ آپ کے پاس جو بھی مال آتا سب غریبوں میں بانٹ دیتے۔ ایک دفعہ ایک انتہائی غریب اور عام سا مسلمان فوت ہو گیا۔ صحابہ نے آپ کے آرام میں خلل آنے کے اندیشے کے تحت آپ کو مطلع نہ کیا اور رات کی تاریکی میں اسے دفن کر آئے۔ آپ کو خبر ہوئی تو ناراض ہوئے اور صحابہ کو ساتھ لیکر اس مسلمان کی قبر پر گئے اور نماز جنازہ پڑھی۔ حضرت بلال اور سلمان فارسی غریب مہاجرین تھے۔ ایک دفعہ حضرت ابو بکر نے انہیں کسی بات پر ڈانٹ پلا دی۔ حضور کو یہ بات پسند نہ آئی۔ حضرت ابو بکر دونوں حضرات کے پاس گئے اور ان سے معافی مانگی۔

5- یتیموں پر رحمت: حضور نے انگشتِ شہادت اور درمیان کی اُنگلی کو ملا کر فرمایا: اَنَا وَ کَافِلُ الْیَتِیْمِ فِی الْجَنَّةِ هٰکَذَا "میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ساتھ ساتھ ہوں گے۔" ایک دفعہ عید کے دن ایک یتیم بچہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے رو رہا تھا۔ حضور اسے اپنے گھر لے گئے۔ صاف ستھرے اور اچھے کپڑے پہنائے، نیز فرمایا کیا تم اس بات پر خوش نہیں کہ عائشہ تمہاری ماں ہو اور محمد صلی اللہ علیہ

وسلم تمہارے باپ؟ آپ کا فرمان ہے کہ مسلمانوں کے گھروں میں سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں یتیموں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا جائے اور بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم پر ظلم ہو۔"

۶۔ امت پر رحمت: آپ امت مسلمہ کے لیے نہایت رحیم و شفیق ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ 128:9) "بے شک تمہارے پاس تمہی میں سے ایک رسول آئے ہیں۔ تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت گریزاں گزرتا ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کے بہت ہی زیادہ خواہش مند ہیں۔ مومنین پر انتہائی شفقت اور رحم فرمانے والے ہیں۔" حضور امتِ کو مشقت اور تکلیف سے بچانے کیلئے اپنے سب سے پسندیدہ اعمال کو بھی ترک فرما دیتے۔ وہ مقروض صحابہ جو اپنا قرض ادا کرنے کے قابل نہ ہوتے ان کا قرض اپنے پاس سے ادا کرتے۔ کوئی مسلمان بھوکا ننگا ہوتا تو اس کے کھانے اور کپڑے کا انتظام فرماتے۔ کوئی مسلمان سوالی بن کر آتا تو کبھی خالی ہاتھ نہ بھیجتے۔ ہر سال عید قربان پر امت کی جانب سے ایک قربانی کیا کرتے۔ صحابہ کو ہر روز اس بنا پر وعظ نہ کرتے کہ کہیں ان پر گراں نہ گزرے۔ موسم کی شدت کے پیش نظر نماز گھر ہی میں ادا کرنے کی اجازت فرما دیتے۔ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر امت کی مغفرت و بخشش کے لیے دعائیں کرتے۔ روز حشر بھی اللہ کے حضور سر بسجود ہو کر گنہگار امت کے لیے بخشش اور مغفرت کی دعا فرمائیں گے۔

۷۔ جانوروں پر رحمت: انسان تو انسان آپ جانوروں کے لیے بھی سراپا رحمت تھے۔ آپ جانوروں کو بھوکا پیاسا رکھنے والوں سے سخت ناراض ہوتے۔ فرمایا کرتے کہ ان کو پیٹ بھر کر کھلاؤ اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو۔ تفریحِ طبع کے لیے جانوروں کو مت لڑاؤ اور ان پر تیر اندازی کی مشق مت کرو۔ زندہ جانوروں کے جسم سے گوشت کاٹ کر نہ کھایا کرو۔ جانوروں کو ذبح کرنے کے حوالے سے تاکید فرمائی کہ ان کو ذبح کرنے کے لیے چھری تیز کر لیا کرو تا کہ ان کو راحت پہنچے اور زیادہ دیر تکلیف نہ ہو۔ ایک دفعہ ایک عورت کے جہنم میں جانے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اس نے بلی کو بھوکا پیاسا باندھے رکھا اور وہ اسی حال میں مر گئی۔ حضورؐ اپنے جانوروں پہ اس قدر رحم فرمایا کرتے کہ تمام جانور آپ سے محبت کرنے لگے۔ آپ کی ایک اونٹنی اس قدر تیز رفتار تھی کہ کوئی اونٹ یا اونٹنی اس سے آگے نہ جا سکتی۔ آپ کا وصال ہوا تو اس نے آپ کے غم میں کھانا پینا چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ اس غم سے مر گئی۔ بلاشبہ حضور کی رحمت پوری کائنات پر چھائی ہوئی ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ تیرے پیکر کا نہ تھا
میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ تیرا

10- **عظیم والشان کامیابیوں کا حصول** : کامیابیوں کا حصول ہر انسان کی خواہش ہے لیکن کامیابیاں کیسے حاصل ہوتی ہیں؟ اور مقاصد و اہداف کو کیونکر پورا کیا جاتا ہے؟ ان سوالوں کا بہترین جواب سیرت طیبہ فراہم کرتی ہے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ نامساعد حالات کا سامنا کیا اور سب سے بڑھ کر کامیابیاں حاصل کیں۔ آپ کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انتہائی ناموافق حالات میں تن تنہا دعوت حق کا آغاز کیا۔ ابتداً صرف چند افراد نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا۔ باقی تمام لوگ آپ کے خون کے پیاسے تھے اور انہوں نے عزم صمیم کر رکھا تھا کہ وہ آپ اور آپ کی دعوت کے چراغ کو ہر صورت گل کر کے رہیں گے۔ اس وقت کسی آدمی کے لیے یہ گمان کرنا بھی مشکل تھا کہ چند برسوں میں آپ کو وہ عزت و سرفرازی اور شان محبوبی عطا ہو جائے گی کہ آپ کی جان کے درپے آپ کے اشارۂ ابرو پر اپنی جانیں قربان کرنے کو سعادتِ دارین سمجھنے لگیں گے۔ لیکن دنیا نے دیکھا کہ آپ کے سعی و ارادہ نے نصرت الٰہی کے ساتھ وہ معجزہ کر دکھایا جس کی مثال تاریخِ عالم میں ناپید ہے۔ چند ہی برس بعد پورا ملکِ عرب اسی کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ سے گونج اُٹھا' جسے دبانے کی خاطر عرب کے مشرکین اور اہلِ کتاب نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا۔ پوری انسانی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ 23 سال کے قلیل عرصے میں جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی کسی قوم کے عقائد و اخلاق اور اعمال میں یوں انقلابِ عظیم برپا ہو گیا ہو۔ سو جسے کامیابی مطلوب ہو اُسے سیرتِ طیبہ کا مطالعہ لازماً کرنا چاہیے اور کامیابی کے مطلوب نہیں۔ بہت سے غیر مسلم مفکرین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محیر العقول کامیابیوں ہی کی بنا پر سیرتِ طیبہ کے مطالعہ کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ پوری انسانیت کو آپ کی سیرت سے رہنمائی لے کر دونوں جہاں کی کامیابیاں اور سعادتیں حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)